جے پور کے اولیاء

حصہ دوم

شاہد احمد

ملنے کا پتہ

ہمدرد دواخانہ ۳۱۲، رام گنج بازار، جے پور

﴿جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ﴾

نام کتاب	:	جے پور کے اولیاء حصہ دوم
نام مصنف	:	شاہد احمد
سن اشاعت	:	۲۰۰۹ء
تعداد اشاعت	:	500
اشاعت	:	بارِ اوّل
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	گلوبل کمپیوٹرس، رام گنج بازار، جے پور-9460866130
قیمت	:	30 روپے
ضخامت	:	50 / صفحات
سائز	:	20x30=16
ناشر	:	ہمدرد دواخانہ ۳۱۲، رام گنج بازار، جے پور

ملنے کا پتہ

ہمدرد دواخانہ ۳۱۲، رام گنج بازار، جے پور

پیش لفظ

نہ تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
وہ بات جو مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

خدا کے فضل وکرم سے اور نبی کریم کی رحمت وعنایت سے جے پور کے اولیاء کرام کے سلسہ کی دوسری کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا نے چاہا تو یہ سلسلہ آگے بھی جاری رہے گا۔ میری کوشش یہ ہے کہ جے پور میں جس قدر اولیاء حضرات ہوئے ہیں ان کے بارے میں لوگوں کو معلومات ہوں کہ کیسے کیسے ولی اللہ نے جے پور کو دیئے ہیں۔

اور تمام عمر انھوں نے مخلوق خدا کو فیض پہونچایا۔اور آج بھی ہر چند کہ وہ ہماری نگاہوں کے سامنے نہیں ہیں پھر بھی فیض پر فیض عنایت کئے جا رہے ہیں ضرورت ہے تو صرف راسخ الاعتقادی کی۔

اس سے پہلی کتاب میں جے پور کے پانچ اولیاء کا ذکر کیا تھا اور اب یہ دوسری کتاب آپ کے سامنے ہے۔اس طرح کم وبیش (۱۰) اولیاء کرام کا ذکر اب تک ہو چکا ہے۔آپ بھی دعا کریں کہ یہ سلسلہ چلتا رہے۔

درد دل کی تمنا ہو تو کر خدمت فقیروں کی
ملتا نہیں یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

اولیاء اللہ کا مقام اللہ کے نزدیک کیا ہے اس کی کچھ مثالیں ہمیں احادیث اور قرآن سے ملتی ہیں۔ ہمارے آقا نبی کریم نے مساکین کے گروہ کے ساتھ صحبت کی تمنا کی کہ۔

اے اللہ مجھے مسکین کی زندگی دے مجھے وفات کے وقت مسکین رکھ اور میرا حشر مسکینوں کے گروہ میں فرما۔

حضرت داؤد علیہ اسلام سے اللہ نے فرمایا۔

اے داود جب تم کوئی ہمارا چاہنے والا دیکھو تو اس کی خدمت کرو۔

حضرت ابوبکر صدیق کے اپنے جسم پر گلیم پہننے پر اللہ نے تمام فرشتوں کو گلیم پہننے کا حکم دیا۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کا مرتبہ اللہ کے نزدیک کیا ہے۔پس ہم پر واجب ہے کہ ان لوگوں کا تہہ دل سے احترام کریں۔

فقط احقر

شاھد احمد

نعت شریف

عالم ظہور نورِ کمالِ محمد است
تمام عالم نورِ محمدی کا مظہر ہے
آدمؑ مثالِ حسنِ جمالِ محمد است
آدمؑ حسن و جمال محمدی کا نمونہ ہیں

از آفتاب روز قیامت چہ غم بود
قیامت کے دن اس کو سورج سے کیا غم ہوگا
آں وا کہ در پناہ ظلالِ محمد است
جو سایہ محمدی کی پناہ میں ہو

اے غرقۂ گناہ ز طوفانِ غم مترس
اے غریقِ گناہ طوفانِ غم سے نہ ڈر
کشتی نوح عصمتِ آل محمد است
کیونکہ عصمتِ آلِ محمد تیرے لیے کشتی نوح ثابت ہوگی

نعت شریف

آقا ہیں سب کے آپؐ حبیبِ خدا ہیں آپ
ٹوٹے ہوئے دلوں کا فقط آسرا ہیں آپ

دیدارِ کردگار ہے دیدار آپ کا
آئینہ تجلی شانِ خدا ہیں آپ

جنّ وبشر ملائکہ انبوہِ انبیاء
سب مقتدی ہیں آپ کے اور مقتدا آپ ہیں

گرچہ گنہگار سہی یہ رضؔا مگر
بندہ نواز شافعِ روزِ جزا ہیں آپ

در شانِ حضرت غوثِ پاکؒ

تیرے نام سے بنا ہے میرا کام غوثِ اعظم
میرے کام آرہا ہے تیرا نام غوثِ اعظم

ہے علاج دردِ پنہاں ترا کام غوثِ اعظم
کہ ہے دستگیرِ عالم ترا نام غوث اعظم

ہوئی مشکلیں جو آساں تو یہ فیض مرتضٰی ہے
کوئی کیا سمجھ سکے گا یہ مقام غوثِ اعظم

کہیں ہے نور کی بارش کہیں ہے نزولِ رحمت
کبھی قدسیوں کے آتے ہیں سلام غوثِ اعظم

یہ فدا ہے صدق دل سے ہے نثار جان و دل سے
کہ رضاؔ ازل کے دن سے ہے غلام آپ کا

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

جے پور اور صوبہ راجستھان کا ایسا کونسا شخص ہوگا جو حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان شاہ صاحب تونسوی کے نامِ نامی سے واقف نہ ہوگا۔ بلکہ آپ کے اہلِ سلسلہ کی کثیر تعداد ہندوستان افغانستان ایران ترکی اور مصرو غیرہ میں پائی جاتی ہے، ایک روایت کے مطابق آپ کے مریدین کی تعداد چار لاکھ جا پہنچی تھی اور لگ بھگ ڈیڑھ سو خلیفہ تھے، جن کے ذمہ الگ الگ صوبوں اور ملکوں میں جا کر مخلوقِ خدا کو فیض یاب کرنے کی خدمت تھی۔

آپ کی پیدائش شہر تونسہ میں ہوئی۔ آپ چار سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، آٹھ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کرلیا، مفلسی کے بوجھ تلے فاقہ پر فاقہ کیا لیکن علم کی لگن کبھی کم نہ ہوئی، والدہ سے رہنمائی ملتی رہی، اگر کبھی کچھ مل بھی جاتا تو بجائے اس کے کہ اپنی ضرورت پہ صرف کریں وہ دوسرے حاجت مندوں کی مدد کر کے قناعت کی دولت سے مالا مال رہتے۔ نشۂ ایثار میں کچھ ہوش نہیں رہتا تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سختی سے پابند تھے، تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مرشدِ کامل کی تلاش میں لگے رہے۔

آخر پندرہ سال کی عمر میں مقام اُچ پہنچے اور سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حضرت مولانا حاجی نور محمد سہاروی رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت حاصل کیا، کچھ عرصے آپ حاجی نور محمد صاحب کی خدمت میں رہ کر فیضیاب ہوتے رہے پھر مولانا نے حکم دیا کہ میرے پیرو مرشد حضرت مولانا فخر علی الرحمۃ کی زیارت کو دہلی جاؤ! مرشد کا حکم سر آنکھوں پہ لے کر بحالتِ عسرت راستہ طے کر کے آپ اس وقت دہلی پہنچے جب مولانا فخر کا فاتحہ سوم ہو رہا تھا یہ دیکھ کر آپ سخت مایوس ہوئے، لیکن کرشمہ قدرت دیکھئے کہ اتفاق سے ضرورتاً حسبِ احکام شریعت مولانا کی دوبارہ قبر کھولی گئی تو آپ نے ان کا دیدار کیا، یہاں تک کہ ان کا عطیہ نعمتِ ظاہر و باطن بھی آپ کو عطا ہوئی۔ اس کے بعد آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور وہاں کچھ دن قیام کیا۔ وہاں سے آپ کو وہ فیض مکمل طور پر حاصل ہو گیا جس کی کچھ کمی رہ گئی تھی، وہاں سے آپ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار پر حاضر ہوئے اور مزید فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد تو آپ محبتِ الٰہی میں فنا ہو گئے۔

دہلی سے پھر پا پیادہ مہاور پہنچ کر اپنے مرشد کے سامنے حاضر ہوئے، دائم الصوم رہنا اور رات کو عبادت کرنا آپ کا خاص مشغلہ بن چکا تھا، اس طرح تیرہ سال کا طویل عرصہ وطن سے دور گزارنے کے بعد آپ

والدہ محترمہ کی خدمت میں قدمبوسی کو حاضر ہوئے، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد آپ نے واپس اپنے مرشد کے پاس جانے کا ارادہ کیا، یہ سن کر والدہ اور دیگر قریبی رشتہ داروں نے ایک کھنڈر میں آپ کو محصور کر دیا اور خندق کھود کر اس میں کانٹے بھر دیئے، مگر پیرو مرشد سے ملاقات کا شوق اس قدر غالب ہوا کہ انہوں نے ان کانٹوں کو پھول سمجھ کر اس میں چھلانگ لگا دی اور جیسے تیسے بحالتِ زخمی آپ وہاں سے نکل کر دوسو میل کا فاصلہ طے کر کے آخر پیرو مرشد کی خدمت میں جا پہنچے۔ مرشد نے آپ کا حلیہ دیکھ کر جذبہ محبت دکھایا اور ۲/ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔

آپ اتباع سنت کے سخت حامی اور عبادت و ریاضت میں کامل تھے، اکثر روزے سے رہتے، چوبیس گھنٹے میں تین گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتے تھے، عالم استغراق میں بھی ان سے کبھی کوئی کلمہ خلاف شریعت نہیں نکلا کرتا تھا۔ آپ کی کرامات بھی ہزاروں ہیں۔ جیسا کہ میں اپنی پچھلی کتابوں میں بھی لکھ چکا ہوں کہ ایک ولی کی سب سے عظیم کرامت سنت و شریعت محمدی کی پیروی ہوا کرتی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ ان لوگوں کو ایسی قوت عطا کر دیا کرتا ہے کہ یہ ولی حضرات اللہ کے حکم سے جب چاہیں اور جہاں چاہیں عجیب و غریب کرامات دنیاوی لوگوں کو دکھا دیں۔

وفات سے پہلے ایک بار شہر تونسہ میں ۱۱/ربیع الاول کو دس دس بارہ بارہ

کوس کے فاصلہ پر ہر شخص نے ایک غیبی آواز سنی کہ کل جو شخص بھی خواجہ سلیمان کی زیارت کرے گا اُس پر آتش دوزخ حرام ہے، چونکہ آپ کے اخلاق اور دینداری نے تونسہ میں لوگوں کے دلوں میں ایک سچّا جذبہ پیدا کردیا تھا، اس لیے یہ آواز کان میں پڑتے ہی ہر شخص خواہ بوڑھا یا جوان عورت یا مرد یا بچہ سب ہی آپ کی زیارت کو دوڑ پڑے۔ اور آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے آپ نے اعلان یہ کروادیا تھا کہ کوئی شخص بھی بنا کھانا کھائے نہ جائے۔ چنانچہ آپ کے لنگر میں ہر شخص نے آکر کھانا کھایا، حالانکہ لنگر خانہ میں کھانا اتنا ہی پکا تھا جتنا کہ روز پکا کرتا تھا، لیکن اس کے باوجود ہر شخص نے سیر ہوکر کھانا کھایا اور کوئی بھی بنا کھانا کھائے نہیں گیا۔

بالآخر ۶ صفر ۱۲۶۷ھ میں یومِ جمعرات بوقت عشاء آپ نے تونسہ میں وصال فرمایا:

اہلِ جے پور حضرات کے لیے آپ کی ذات بابرکات باعثِ فخر ہے، کیوں کہ آپ کے ایک نامور خلیفہ حضرت حاجی محمد معین الدین شاہ چشتی نظامی سلیمانی جودھپوری ہیں، جنہوں نے تمام عمر جے پور کے لوگوں کو فیض پہنچایا اور جب تک آپ حیات رہے اپنے مرشد حضرت سلیماں شاہ صاحب کا عرس مبارک نہایت عظیم الشان طریقہ مناتے رہے۔ یہ اُن کے عرس کی برکت سے ہزاروں لوگ آپ کے عرس میں شریک ہوکر فیض حاصل کرتے تھے۔

حضرت مولانا حاجی محمد معین الدین شاہ صاحبؒ

آپ کا کچھ مختصر ذکر میں اس سے قبل والی کتاب میں کر چکا ہوں، اب یہاں ذرا تفصیل سے آپ کا ذکر کروں گا، کیوں کہ مجھے آپ کے پیرو مرشد کے حالات بھی درکار رہتے تھے، اب اللہ نے مجھے توفیق دی ہے کہ میں شاہ معین الدین صاحب کا ذکر تفصیل سے کروں۔

آپ کے والد گرامی کا نام حافظ مولانا محمد نظام الدین تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی سے جا ملتا ہے۔

آپ کی ولادت ۱۵/رجب ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸/اکتوبر ۱۸۸۲ء کو بروز اتوار بمقام جودھپور ہوئی۔ آپ کا آبائی مکان سرکار کی طرف سے آپ کے والد کو ملا ہوا تھا۔ آپ کے والد ایک دیندار اور متقی آدمی تھے، روزانہ ایک ختم قرآن کیا کرتے تھے، خود بھی درویش صفت بزرگ تھے، حضرت شاہ محمد عبداللطیف شاہ ولایت جودھپور سے آپ کے مخلصانہ مراسم تھے، حضرت شاہ معین الدین کی پیدائش سے پہلے شاہ عبداللطیف نے آپ کے والد کو بلا کر فرمایا کہ بھائی نظام الدین مجھے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تمہیں ایک کامل فن درویش صفت فرزند عطا فرمائے گا اُس کا نام محمد معین الدین

رکھنا۔ چنانچہ ولادت کے بعد آپ کا یہی نام رکھا گیا۔

پانچ چھ برس کی عمر میں آپ کے والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، آپ کی والدہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کی نگہبانی کی، بچپن سے ہی پڑھنے لکھنے کے شوق کے ساتھ جذبہ خدمت خلق بھی بہت تھا، اسی وجہ سے آپ زیادہ عرصہ تک تعلیم حاصل نہ کر سکے، دس گیارہ سال کی عمر میں پڑھائی ترک کر کے گوشہ نشینی کی عادت ہوگئی، دل و دماغ پر عجیب سی کیفیت طاری رہتی تھی، جس کو وہ کوئی نام نہ دے سکتے تھے، اس حالت میں بھی آپ خدمت خلق برابر کیا کرتے، یہاں تک کہ آپ اکثر بیماروں کو دوا بھی دیدیا کرتے تھے، اور اللہ نے ان کے ہاتھ میں ایسی شفا عطا فرمائی تھی کہ ایک ہی پڑیا میں مریض اچھا ہو جاتا تھا، کبھی کبھی آپ پیشین گوئی بھی کر دیا کرتے تھے، اس طرح آپ کی شہرت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی، یہاں تک کہ بہت عمر رسیدہ اشخاص بھی آپ کے پاس آنے لگے۔ ان میں کسی ہندو یا مسلمان کی گنتی نہیں تھی، ہر مذہب کا آدمی آپ کے پاس آنے لگا۔

اسی شہرت کی بنا پر مہاراجہ سروپ سنگھ والی ریاست سروہی نے اپنی ایک خاص ضرورت کی غرض سے آپ کو بلوایا مگر آپ نے انکار کر دیا لیکن جودھپور کے کچھ معزز لوگوں نے اور عقیدت مندوں نے آپ سے وہاں جانے کا اصرار کیا تو آپ تیار ہوگئے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ

مہاراجہ کا کام تو ہمارے آبو پہنچنے پر ہی ہو جائے گا، مگر ان سے ملاقات ایک ہفتے کے بعد ہی ہو سکے گی۔ چنانچہ آپ آبو تشریف لے گئے، آبو پہنچتے ہی مہاراجہ کا کام اپنے آپ ہی پورا ہو گیا۔

آخر مہاراجہ اظہارِ تشکر و احسان مندی پیش کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں آئے، اور ایک بڑی رقم آپ کی خدمت میں پیش کی، مگر آپ نے سختی سے رقم لینے سے انکار کر دیا اور ملاقات کے بعد واپس جودھپور تشریف لے آئے۔

دھیرے دھیرے آپ پر حالاتِ استغراق غالب آنے لگی آپ نے لوگوں کو دوا بھی دینا بند کر دیا، پیش گوئی اور نجوم کی باتوں سے گریز کرنے لگے لیکن آسیب زدہ مریضوں کا ہجوم آپ کے درِ دولت پر برابر لگا رہتا۔ یہ سب مریض ایک ہی صف میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے، آپ ایک مخصوص وقت پر تشریف لاتے اور جس جس مریض کا ہاتھ پکڑ کر لائن سے باہر کھڑا کر دیتے وہ بالکل صحتیاب ہو جاتا تھا۔

ایک واقعہ یہاں خاص طور پر رقم کرنا چاہوں گا کہ جودھپور شہر میں اوسوال صاحبان کی کثیر تعداد موجود ہے، ایک مرتبہ ان کے مذہبی گرو مہاراج کسی مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے ڈاکٹر انکار سنگھ جو وہاں کے سول سرجن تھے برابر ان کا علاج کرتے رہے لیکن ایک فیصد بھی فرق نہ ہوا، یہاں تک کہ گرو مہاراج زندگی سے مایوس ہو گئے اور بستر پر ایسے لیٹے کہ

اپنے آپ قطعی نہیں اُٹھ سکتے تھے، حضرت محمد معین الدین شاہ صاحب کی شہرت ان کے کانوں تک پہنچی تھی لیکن بر بنائے مذہبی تعصب وہ کسی مسلمان کا بھی سایہ پڑنا برداشت نہ کر سکتے تھے، آخر چیلوں کے اصرار پر لالہ گل راج منتظم شاہی محلات کے ذریعہ شاہ صاحب سے رجوع کیا، آپ رضامند ہوگئے۔ مہنت بختاورمل جی جوان گرو کے چیلے تھے انہیں کے باغ میں گرو جی کا قیام تھا، آپ شاہ صاحب گرو جی کو دیکھنے وہاں تشریف لے گئے، جب شاہ صاحب وہاں پہنچے تو ڈاکٹر صاحب گرو جی کو دیکھ کر واپس جارہے تھے، شاہ صاحب کو آتا دیکھ کر وہ بھی ان کے ساتھ ہی واپس گرو جی کے پاس آگئے شاہ صاحب اندر جا کر گرو جی کے چہرے کے سامنے کچھ دیر کھڑے ہوئے اور پھر سرہانے بیٹھ گئے، اور آنکھ بند کر کے توجہ دی اور ایک دم کھڑے ہوتے ہوئے گرو جی سے کہا کہ اٹھیے یہ سن کر گرو جی بھی فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور چہرے پر ذرا بھی مرض کے آثار باقی نہ بچے تھے۔ شاہ صاحب کی کیمیائی نظر نے ان کے مرض کو بالکل مفقود کر دیا تھا۔ یہ سب ماجرا چونکہ ڈاکٹر صاحب کے سامنے ہوا تھا وہ سب دیکھ کر نہایت ششدر رہ گئے۔ اور کچھ نہ بول سکے۔

اس طرح کے واقعات ریاست جودھپور اور آس پاس کے علاقوں میں اس قدر رونما ہوئے ہیں کہ اس کتاب میں ان کی گنجائش نہیں۔

پھر آپ کو سیاحت کا شوق ہوا آپ شہر در شہر گھوما کرتے تھے۔ کبھی حیدرآباد کبھی بمبئی کبھی سیکر، کبھی جے پور وغیرہ وغیرہ۔

ایک بار بمبئی کے قیام کے دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ ناگور کے رہنے والے سیٹھ مصری لال جن کا مارواڑی بازار میں گھر تھا۔ وہاں شاہ صاحب کا قیام تھا۔ سیٹھ جی کے ایک پارسی دوست کی لڑکی عجیب بیماری میں مبتلا تھی۔ چونکہ وہ پارسی نہایت متمول اور اعلیٰ رسوخ دار شخص تھا اس لئے جرمن اور برطانیہ سے بھی ڈاکٹروں کو بلا کر اپنی بیٹی کا علاج کرایا مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ چوبیس گھنٹے وہ لڑکی ایک پہیئے والی کرسی پر لیٹی رہتی تھی۔ سیٹھ جی کے کہنے پر پارسی صاحب اپنی بیٹی کو شاہ صاحب کو دکھانے لائے اور اس کی کرسی شاہ صاحب کے سامنے کر دی۔ آپ نے چند منٹ ہی توجہ دی تھی کہ اللہ کے کرم سے لڑکی اپنے آپ کرسی سے اٹھی اور پوری طرح صحتیاب ہوگئی۔ پارسی نے بہت چاہا کہ آپ کچھ رقم لے لیں لیکن آپ کو اس چیز فانی سے نفرت تھی اس لئے آپ نے سختی سے منع کر دا۔

جے پور تشریف آوری:

۱۹۱۸ء میں آپ ایک بار احمد آباد سے بذریعہ ریل دہلی کے لئے روانہ ہوئے جے پور اسٹیشن پر آپ کو خیال آیا کہ اپنے ہی سلسلے کے بزرگ

حضرت ضیاء الدینؒ بھی جے پور میں موجود ہیں ۔ کیوں نہ ان کے مزار پر حاضری دے کر دہلی روانہ ہوا جائے ۔ چنانچہ آپ جے پور اسٹیشن پر ہی اتر گئے اور جے پور کے چہار دروازہ واقع حضرت مولانا ضیاء الدینؒ کی درگاہ شریف پر تشریف لے گئے ۔

فاتحہ کے دوران مولانا کی روح پر نور نے آپ کو جے پور ہی رک جانے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ آپ نے چاندی کی ٹکسال باندروال دروازے کے اندر ایک مکان میں قیام فرمایا۔ تقریباً ایک سال وہاں آپ کا قیام رہا۔ اور جے پور میں پہلا عرس سلیمانی آپ نے وہیں منعقد کیا۔ ایک سال کے بعد آپ پھر دوبارہ سیر و سیاحت کو نکل پڑے۔ اور غالباً ۱۹۲۲ء میں آپ واپس جے پور آ کر حضرت مولانا ضیاء الدینؒ کی درگاہ میں ایک علیحدہ حجرہ میں تقریباً گیارہ سال تک معتکف رہے۔ پھر وہاں سے نکل کر آپ کاونٹیوں کی پیپلی نگہ میاں کی مسجد کے متصل ایک کرایہ کے مکان میں آ گئے ۔ یہاں دو سال قیام کر کے آپ محلّہ بساطیان دگڑے والی مسجد کے پاس ایک دوسرے کرایہ کے مکان میں منتقل ہوئے اور پابندی سے عرس حضرت خواجہ حاجی نور محمد مہاروی اور حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کے عرس منعقد کرنے لگے ۔

یہ عرس نہایت عظیم الشان طریقہ سے منعقد کیا جاتا، دل کھول کر خرچ کیا جاتا۔ مہمانوں کے لئے کھانے کا عمدہ انتظام ہوتا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس

سلسلے میں آپ کبھی کسی سے ایک روپیہ بھی قبول نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ سختی سے اعلان کرا رکھا تھا کہ کسی کو بھی عرس کے اخراجات میں کسی بھی طرح کی رقم نہ دی جائے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا نے آپ کو دست غیب دے رکھا تھا۔ لگ بھگ پچاس پچپن سال کے عرصے تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور آپ نے کبھی بھی کسی سے ہدیہ قبول نہیں کیا۔ جب کہ وہ عرس کے اخراجات کے علاوہ مستحقین اور مساکین کی دل کھول کر امداد کیا کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے تمام زندگی مجرد بسر کی ہمیشہ فقیرانہ لباس میں رہتے تھے۔ وقت کے نہایت پابند تھے۔ صبح بعد نماز فجر آپ کا در دولت کھل جاتا اور ۱۰/ بجے بند ہو جاتا تھا۔ پھر بعد نماز عصر سے وقت مغرب تک کھلا رہتا۔ ان دو وقتوں میں ضرورت مند اور حاجت مند اپنی عرضیاں بیان کرتے اور زائرین آپ کے دیدار سے شرف یاب ہوتے یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ مسلمان تو ان کے معتقد تھے ہی غیر مسلم حضرات کی بھی بہت بڑی تعداد آپ سے عقیدت رکھتی تھی اور بڑے بڑے معزز غیر مسلم حضرات قدم بوسی کو حاضر ہوتے تھے۔ آپ ہمیشہ شہرت اور دولت سے دور رہتے۔ راجہ گوبند سنگھ اور منشی پنا لال جی نے بڑی منت و سماجت کے بعد آپ کے فوٹو لینے میں کامیاب ہوئے تھے۔

آپ کو خلافت و اجازت ہر چہار سلسلے سے حاصل ہے۔ یعنی

قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی۔ اس کے علاوہ حضرت خواجہ شاہ محمد اسحاق محدث نقشبندی سے بھی آپ کو خلافت عطا ہوئی ہے۔ حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کے خلیفہ حضرت خواجہ شاہ الہ بخش صاحب سے تو آپ کو خلافت عطا ہوئی ہی ہے۔ اس طرح حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی سے آپ کو بہت قریبی واسطے کا شرف حاصل ہے۔

بیعت کرنے سے آپ ہمیشہ احتراز فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ آج پیری مریدی ذریعہ معاش بن کر رہ گئی ہے اگر حقیقت میں کوئی طالب حق ہے تو میں بتائے دیتا ہوں وہاں چلا جائے وہ نعمت مقدر میں ہوگی تو مل جائے گی۔ جہاں تک میرا سوال ہے میں بنا مرید کئے بھی خدمت انجام دیتا رہوں گا۔

آپ نے کچھ کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ جن میں کشف الغطا سب سے اول ہے۔ اس میں تمام سلاسل کا ذکر ہے۔ اور مسائل تصوف نہایت سادہ زبان میں سمجھانے کی کوشش کی ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کو صاف الفاظ میں متحد رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ کی دوسری کتاب مجربات معینی ہے جس میں آپ نے مجرب نسخہ جات اور عملیات کا ذکر کیا ہے ایک کتاب آپ نے علم نجوم اور علم جفر پہ بھی لکھی ہے۔ جس کا نام معین النجوم والجفر ہے مگر اب یہ سب کتابیں عنقا ہیں ان کے کسی عقیدت مند کے یہاں مل جائیں تو مل جائیں۔

ایک بات کا ذکر میں کرنا بھول گیا تھا وہ یہ کہ عرس کے دعوت نامے ہمیشہ اس شعر سے شروع ہوا کرتے تھے۔

عرس ہے خواجہ سلیماں کا صلائے عام ہے
فیض دینا ان کا اور لینا ہمارا کام ہے

عرس کے انتظامیہ کمیٹی میں اکثر یہ نام قابل غور ہوا کرتے تھے۔

۱. شری کنہیالال صاحب متل۔ ایل ایل بی۔ چیف جج ہائی کورٹ
۲. ٹھاکر شیام کرن سنگھ صاحب بی اے سیکریٹری اربن امپرومنٹ بورڈ گورنمنٹ آف راجستھان۔
۳. شری منشی پنالال صاحب ماتھر۔ ایم اے پرنسپل مہاراجہ کالج، جے پور۔
۴. شری گردھاری لال صاحب زولہ۔ بی اے سپرنٹنڈنٹ ڈاک تار محکمہ۔ جے پور
۵. خان بہادر شاہ علیم الدین صاحب۔ ایم اے، ایم. ایل. اے.
۶. محمد حامی الدین خاں صاحب۔ ایم. اے پروفیسر ہسٹری مہارجہ کالج، جے پور
۷. سیٹھ سوہن مل گولچھہ۔ زوراسٹر کمپنی۔ جے پور
۸. راجہ گووند سنگھ صاحب۔ جاگیردار سُمیل کلاں ریاست جے پور

۹. ایس. ایم. اسلام صاحب ۔ وارڈ کونسلر میونسپلٹی ، جے پور

۱۰. منشی عزیز الدین خاں صاحب انسپکٹر میونسپل کونسل جے پور

۱۱. سیٹھ عبدالرزاق صاحب جوہری عرف اجامیاں ، جے پور

شری پنا لال جی اور راجہ گووند سنگھ جی جوسمیل کلاں ریاست جے پور کے راجہ تھے شاہ صاحب سے بہت قریب تھے ۔ یہاں میں پنا لال جی کا بیان کیا ہوا ۔ ایک واقعہ کا ذکر کرنا چاہوں گا ۔

وہ کہتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص میرے پاس آیا ۔ اور کمال انکساری سے شاہ صاحب سے سفارش کی التجا کرنے لگا کہ صاحب دس سال ہو گئے رات کو سونا نصیب نہیں ہوا ۔ جیسے ہی سونے کو لیٹتا ہوں تو دورہ سا پڑ جاتا اور اس قدر اچھلتا ہوں کہ میری ٹانگیں چھت سے جا لگتی ہیں تمام حکیم اور وید اور جنتر منتر کر چکا ہوں ۔ لیکن ہنوز وہی حال ہے میری زندگی وبال ہو رہی ہے ۔ میری مدد کیجئے اور قبلہ شاہ صاحب سے میرے لئے سفارش کیجئے کہ اس عذاب سے نجات پاؤں ۔ یہ شخص اور کوئی نہیں جے پور کے وکیل منشی گلزاری لال صاحب تھے ۔ لہٰذا میں ان کو لیکر شاہ صاحب کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہوا اور تمام واقعہ عرض کیا ۔ آپ نے سن کر فرمایا کہ کل صبح ۷ بجے آیئے ۔ میں سمجھ گیا کہ گلزاری لال جی کا کام بن گیا ۔

مگر چونکہ حکم کی تعمیل نہایت ضروری تھی اس لئے میں نے ان سے تاکیداً صبح ۷ بجے آنے کو پابند کر دیا ۔ مگر دوسرے دن ساڑھے نو بجے تک بھی وہ نہ آئے تو دل سخت شرمندہ ہوا اور بہت افسوس کرنے لگا ۔ آخر ساڑھے نو بجے کے بعد وہ آئے تو میں نے ان سے شکوہ کیا ۔ انھوں نے جواب دیا کہ دس سال بعد آج ہی تو نیند آئی ہے گھر والوں نے بمشکل جگا کر زبردستی مجھے بھیجا ہے ۔ غرض اس کے بعد تمام زندگی وکیل صاحب کو کوئی شکایت نہ ہوئی ۔

جے پور کی ایک قابل ذکر ہستی جناب احترام الدین احمد شاغل صاحب کو بھی شاہ صاحب سے بے پناہ عقیدت تھی وہ ان کے مشاعروں اور عرس کی روداد لکھا کرتے تھے ۔ شاغل صاحب سے مرزا اسماعیل کے قریبی تعلقات تھے جب شاہ صاحب کی شہرت مرزا اسماعیل تک پہنچی تو انھوں نے شاغل صاحب سے کافی منت سماجت کی کہ ایک بار مجھے شاہ صاحب سے ملا دیجئے ۔ چنانچہ انھوں نے شاہ صاحب سے نہایت مودبانہ اجازت طلب کی اور مرزا اسماعیل کو ملاقات کے لئے لے آئے ۔ مختلف موضوعات پر گفتگو کی اور مرزا صاحب شاہ صاحب کی علم فراخی سے بہت متاثر ہوئے ۔ کہنے لگے کہ آپ جیسا یکتائے زمانہ باکمال شخص ایسے تنگ و تاریک مکان میں زندگی بسر کر رہا ہے ۔ میری خواہش ہے کہ آپ آبادی شہر سے باہر کسی صحت بخش و فرحت بخش پر فضا مقام پر بود و باش اختیار کریں اس کا انتظام میں کر دوں گا ۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرے لئے تو یہی

مقام صحت بخش اور پر فضا ہے مجھے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

جب مرزا صاحب باہر آئے تو انھوں نے شاہ صاحب کے مکان کے آس پاس کا جائزہ لیا۔اس زمانے میں وہاں بہشتیوں کی کافی جھونپڑیاں تھیں مرزا اسماعیل نے اسی وقت حکم دیا کہ یہاں سے تمام بے ترتیب جھونپڑیوں کو ہٹا دیا جائے اور ایک پارک بنا دیا جائے تاکہ شاہ صاحب کو تازہ ہوا مل سکے۔ یہ حکم دیکر وہ تو چلے گئے اور بہشتیوں نے چونکہ یہ حکم سن لیا تھا اس لئے روتے پیٹتے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے شاہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ بے فکر رہو کوئی تمہیں یہاں سے ہٹا نہیں سکتا ہے۔کوئی اندیشہ نہ کرو۔ چنانچہ آج تک بہشتیوں کے مکان اسی محلّہ میں موجود ہیں۔

جس زمانے میں درگاہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی سجادگی کو لیکر معاملہ عدالت میں چل رہا تھا تو جھن جھنوں کے پیرزادہ معین الدین صاحب جو کہ آلِ رسول میں سے تھے بھی اپنے حقوق قدیمہ کی بنا پر سجادہ نشینی کے امیدوار تھے۔ انھوں نے حضرت شاہ صاحب سے اس بارے میں التماس کیا کہ وہ ان کی کامیابی کے لئے دعا کریں۔تو شاہ صاحب نے بہت اصرار کے بعد فرمایا کہ جب سجادگی کی جگہ خالی ہوگی تو آپ اس عہدے کو قبول کرنے سے معذور ہوں گے۔ پیرزادہ صاحب یہ سن کر بہت حیران ہوئے کہ ایسا کیسے ممکن ہے۔مگر مشیت کے احکام تو نافذ ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء کے پر آشوب حالات اور ملک کی تقسیم کی وجہ سے سجادہ نشین صاحب پاکستان چلے

گئے اور جگہ خالی ہوگئی۔لیکن پیرزادہ صاحب بھی باوجود شاہ صاحب کے منع کرنے راتوں رات چپکے سے پاکستان چلے گئے الغرض حکومت نے پھر سید عنایت حسین علی خاں کو دیوانِ درگاہ مقرر کر دیا۔

بہر حال ولایت کے آسمان کا یہ درخشندہ ستارہ ۸؍ رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۹۶۷ء کو ہماری نظروں سے غائب ہوگیا۔اور جے پور کے باشندے اس عظیم ہستی کے مزید دیدار سے محروم ہوگئے۔

خدا شاہ صاحب کے درجات کو اور بلند فرمائے۔آمین۔

اس مضمون کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں جناب عبدالرحیم خاں صاحب اجمیری مصنف ''نور مجسم رحمت عالم'' نے میری بھرپور مدد فرمائی۔ خدا انھیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔اور ان کی کتاب نور مجسم رحمت عالم کو مزید قبولیت عطا فرمائے۔انھوں نے بڑی تحقیق اور جانفشانی سے اس کتاب کو مکمل کیا ہے اور چھوٹی چھوٹی تاریخی بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ سیرۃ النبی پر نہایت عمدہ کتاب ہے۔

حضرت امان علی شاہ صاحب

حضرت امان علی شاہ صاحب عرف امانی شاہ بابا سلسلہ چشتیہ کے چشم وچراغ ہیں۔سلسلہ چشتیہ کے علاوہ آپ نے حضرت بہاؤالدین نقش بندی اورغوثِ اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے سلسلوں سے بھی فیض حاصل کیا۔

اپنے اندر قلندرانہ مزاج رکھتے تھے۔آپ کا اصل وطن یمن تھا۔لیکن اپنے مشائخ کی طرح آپ سفر در سفر کرتے ہوئے اور راستہ کی مصیبتیں اٹھاتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے۔اور شہنشاہ ہند کے آستانہ عالیہ پہ حاضری دی ایک روایت کے مطابق آپ ۱۷۳۰ء میں جے پور تشریف لائے۔یہاں کا حکم آپ کو حضرت خواجہ غریب نواز سے ملا تھا۔یہ جے پور شہر کا شروعاتی دور تھا۔اور دہلی میں مغل بادشاہ روشن اختر کی حکومت تھی۔اُدھر ترکی میں سلطنت اسلامیہ عثمانیہ کے سلطان محمد اوّل کی حکومت تھی۔

دہلی میں مغل حکومت کا زوال شروع ہو چکا تھا کوئی بادشاہ چند سال سے زائد حکومت نہیں کر پا رہا تھا۔طوائف الملوکی کا عالم تھا۔ایسے حالات میں حضرت داتا امان علی شاہ جے پور کی رعایا کے لئے خدا کی رحمت بن کر تشریف لائے اور اپنے کردار اخلاق۔مسکین انوازی اور جذبہ خدمت مخلوق سے رعایا کو فیض یاب کرنے لگے۔ چونکہ اولیاء اللہ کا رنگ کچھ الگ ہی نرالہ ہوتا ہے۔اس

لئے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی آپ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

کہتے ہیں کہ جے پور کے جوہری بازار میں ایک پیڑ کے نیچے آپ نے اپنا مسکن بنا لیا تھا۔لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب لوگوں کا ہجوم زیادہ ہونے لگا تو آپ وہاں سے اُٹھ کر چاند پول بازار کھیجڑے والوں کے راستہ کے نکّڑ پر اٹھ آئے اور وہیں دھونی رمالی۔یہاں پر دو بہت اہم واقعات پیش آتے۔

پہلے تو یہ کہ دربار کا ایک ہاتھی پاگل ہو گیا۔اور اس نے شہر میں کافی کہرام مچانے کے بعد چاند پول کا رخ کر لیا۔بھگ ڈڑ تو پہلے ہی تھی۔ایک ہرکارے نے آپ کے پاس آکر کہا کہ بابا اٹھو اور بھاگو ایک ہاتھی پاگل ہو گیا ہے اور وہ ادھر ہی آرہا ہے۔یہ سن کر آپ کہنے لگے آتا ہے تو آنے دو ہم بھی خدا کے وہ بھی خدا کا۔چنانچہ جیسے ہی ہاتھی قریب آیا اپنے چمٹا اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کیا۔ہاتھی فوراً رک گیا۔اور گردن جھکا کر وہیں بیٹھ گیا۔پھر بآسانی ہرکارے ہاتھی کو قابو کر کے فیل خانہ میں لے گئے۔

دوسرا واقعہ یہ کہ چونکہ آپ ہر وقت دھونی جلا کر رکھتے تھے اس کے لئے گوبر سے بنے اوپلوں کی ضرورت پڑتی تھی۔کچھ عورتیں آپ کے پاس اوپلے لیکر آتی تھیں تو اپنے چمٹے کو راکھ میں ڈال کر پیسے نکال کر عورتوں کو دے دیا کرتے تھے۔ایک دن ایک عورت کی نیت خراب ہو گئی آپ رفع حاجت کو گئے ہوئے تھے کہ وہ عورت آئی اور اس راکھ میں پیسے ٹٹولنے لگی اتنے میں آپ تشریف لائے تو وہ

عورت بھاگی آپ نے اپنا چمٹا اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔اس کے چوٹ لگی تو اس نے کوتوالی میں آ کر کوتوال سے شکایت کی کوتوال آپ کو کوتوالی لے آیا اور جنگلے میں بند کر کے تالا لگا دیا۔جیسے ہی نماز کا وقت ہوا۔جنگلے کا تالا اپنے آپ کھلا اور دروازہ بھی اپنے آپ کھلا۔آپ وہاں سے نکل کر نماز کے لئے چلے گئے اور نماز کے بعد واپس کوتوالی آ گئے۔تو اندر جاتے ہی دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا تالا بھی لگ گیا۔ جب اس طرح چار پانچ دفعہ واقعہ ہو گیا تو یہ لوگ حیران ہوئے رفتہ رفتہ یہ خبر جے پور مہاراج تک پہنچی تو آپ خود آئے اور کوتوال کو ڈانٹا کہ اس مرد خدا کو کیونکر بند رکھا ہے۔ان کو ابھی اور اسی وقت رہا کرو۔پھر جے پور مہاراج ان کو ساتھ لیکر حضرت ضیاء الدین شاہ صاحب کی درگاہ پر حاضر ہوئے اور کوتوال کے کئے پر شرمندگی ظاہر کی۔وہاں سے حضرت امانی شاہ کو اشارہ ہوا کہ شہر کے باہر فلاں جگہ چلے جاؤ اور وہیں بود و باش اختیار کرو چنانچہ جہاں آج آپ کا مزار مبارک ہے آپ وہیں جا بسے۔

اس کے بعد تو لوگ جوق در جوق آپ کے در پر حاضر ہوتے اور مرادیں پاتے۔اس وقت چونکہ وہ جگہ جنگل میں واقع تھی۔تو جنگلی درندے وہاں اکثر آیا کرتے مثل چیتا، شیر، لکڑ بگھا وغیرہ۔لیکن اللہ کے ولی کو اللہ کے سوا کس کا ڈر ہوتا ہے۔وہ درندے آپکی خدمت میں آتے اور آداب بجالاتے جے پور کے لوگوں میں ایک بات یہ بھی مشہور ہے کہ آپ کے وصال کے چند سال بعد تک

ایک شیر آپ کے مزار پر حاضری دیا کرتا تھا۔حضرت داتا امانی شاہؒ اپنی تمام زندگی شریعت محمدی اور سنت نبوی کی پیروی میں گذار دی۔کم بولنا، کم کھانا اور ہر وقت اللہ کو یاد کرنا اور ساتھ ہی مخلوق خدا کو نفع پہنچانا آپ کا نصب العین تھا۔

ہم لوگوں کو چاہیئے کہ حضرت کے مزار پر ہم اپنی دنیا اور آخرت کو سنوارنے کی دعا بھی کریں۔اور جد و جہد بھی کریں۔ایسی مقدس جگہوں پر بھی ہم نے اگر دنیا ہی مانگی تو کیا مانگی۔ان حضرات کا تو پیغام ہی یہ تھا کہ تم اللہ کے مطیع ہو جاؤ۔ہر چیز تمہاری مطیع ہو جائے گی۔

اور وہ واقعہ تو نہایت مشہور ہے کہ ایک بار جے پور مہاراج نے ایک دوشالہ آپ کے کندھوں پر ڈالا آپ نے وہ دوشالہ جلتی آگ پر ڈال دیا اور وہ جل کر راکھ ہو گیا یہ دیکھ کر مہاراج صاحب کو کافی ناگوار گزرا ان کی ناگواری کو دیکھ کر آپ مسکرائے اور چمٹے کو آگ میں ڈال کر ایک ایک کر کے درجنوں دوشالے جلتی آگ سے نکال کر رکھ دیئے اور فرمایا کہ ان میں سے جو آپ کا دوشالہ ہے وہ آپ لے لیجئے۔

بالآخر نورِ معرفت کا یہ روشن چراغ ۱۷۴۷ء میں ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔لیکن اوجھل ہونے سے پہلے اس چراغ نے ہزاروں لاکھوں چراغ روشن کر دیئے۔خدا ان کے درجات کو اور بلند فرمائے۔

حضرت چپ شاہ صاحبؒ

آپ کا اصل نام نامی کوئی نہیں جانتا۔ لیکن آپ قلندرانہ سلسلے کے ایک چراغ تھے۔ ہمیشہ آپ پر ایک حال غالب رہتا تھا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کہیں باہر سے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ راجستھان کے مقامی ہی تھے۔ کچھ حضرات نے آپ کو اجمیر میں خواجہ ہند کے آستانہ عالیہ پر بھی دیکھا ہے۔ ایک لنگی اور ایک چادر آپ کا لباس ہوا کرتا تھا۔ اجمیر سے جے پور کب تشریف لائے یہ تو معلوم نہ ہوسکا۔ لیکن آپ کافی عرصے چاند پول دروازے باہر محلّہ قریشیان میں رہے۔ ہمیشہ خاموش رہا کرتے تھے۔ اس محلّہ کے کچھ بیہودہ اور لوفر قسم کے لوگ جن کو جوئے اور سٹے کا شوق تھا۔ آپ سے نمبر پوچھا کرتے تھے اور نہ بتانے پر زدوکوب کیا کرتے تھے۔ کبھی کمرے میں بند کردیتے اور کھانا پانی نہیں دیا کرتے۔ حالانکہ ایسے قلندر کے لئے کھانا پانی جیسی چیز کوئی معانی نہیں رکھتی۔ اللہ ہی ایسے قلندر کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔

میرے ''راقم الحروف'' کے تایا رضی الدین رضا انھیں وہاں سے محلّہ بساطیان لے آئے اور مسجد بساطیان کے پیچھے میرے نانا کے یہاں ان کے رہنے کا انتظام کیا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ رضی الدین صاحب کی ملاقات چپ شاہ صاحب سے کیوں کر اور کیسے ہوئی لیکن یہ بات طے ہے کہ شاہ صاحب کو وہی لیکر آئے تھے۔

میری نانی بتایا کرتی تھیں کہ ایام بیض میں رات کو چھت پر چڑھ کر چاند سے ہاتھ کے اشاروں سے بات چیت کیا کرتے تھے۔

آپ صرف ایک وقت بہت معمولی اور سادہ کھانا کھایا کرتے تھے میری والدہ نے ایک واقعہ مجھے بتایا کہ ایک بار میں آپ کو کھانا دینے پہنچی انھوں نے کھانے سے جب کپڑا ہٹایا تو فوراً بول اُٹھے۔ واپس لے جا یہ ننگے سروالی کے ہاتھ کی روٹی ہے۔ میں کھانا واپس لے آئی اور ڈر گئی۔ میں نے اپنی والدہ سے جب یہ کہا کہ تو ان کو دھیان آیا کہ ہاں روٹی پکاتے وقت دوپٹہ میرے سر پر سے گر گیا تھا۔

آپ جب حالت استغراق میں ہوتے تو آپ سے عجیب عجیب فعل سرزد ہوا کرتے تھے ان کی ایک خاص کرامت جو کچھ لوگ بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ کسی بھی برتن میں کتنا ہی بدبودار اور گندہ پانی آپ کے سامنے لایا جاتا۔ آپ اس کو انگلی سے چھوتے تو فوراً ہی وہ پانی موتی کی طرح شفاف اور خوشبودار ہو جاتا۔ کچھ بدعقیدہ اور بدمعاش لوگوں نے ایک بار آزمانے کے لئے آپ کا ہاتھ پکڑ اکر زبردستی سڑک کی نالی کے بہتے پانی میں ڈال دیا۔ نتیجہ وہی ہوا کہ نالی کا پانی نہایت شفاف ہوگیا۔

لگ بھگ ۷۵رسال اور ایک روایت کے مطابق ۷۸رسال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا آپ کے وصال کی تاریخ ۱۷رمحرم ۱۹۶۸ء ہے۔

میرے تایا رضی الدین صاحب ان کو اپنا پیرومرشد کہتے تھے۔ اور

ان کے وصال کے بعد تین دن کا عرس کیا کرتے تھے پہلے دن قرآن خوانی، دوسرے دن چہار بیت تیسرے دن محفل سماع۔

دور دور سے لوگ یہ عرس دیکھنے آتے تھے۔ لاڈلی کے کھرے پر ہمدرد دواخانہ کے آگے یہ عرس ہوا کرتے تھے۔ رضی الدین صاحب کے انتقال کے بعد پانچ سال تک یہ عرس نہیں ہوسکا۔ پانچ سال کے بعد اس ناچیز کو شاہ صاحب نے بار بار اپنا مزار دکھایا۔ لیکن میں نہیں سمجھ سکا۔ کیونکہ پہلے کبھی میں ان کے مزار پر نہیں گیا تھا۔ میں شش و پنج میں تھا کہ رضی صاحب کے ایک عمر رسیدہ دوست جناب غفار صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہیں چپ شاہ صاحب کے مزار پر جانا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں وہاں کبھی نہیں گیا۔ تو کہنے لگے چلو میں لئے چلتا ہوں۔ اس طرح میں آپ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور جو مزار مجھے دکھایا گیا تھا بحالت خواب اس میں اور اس میں سر مو فرق نہیں تھا۔ بہر حال اگلے دن میں نے ایک چادر آپ کے مزار پر پیش کی اور خوب فیض حاصل کیا خدا غفار صاحب کو اس کی جزائے خیر عطا کرے۔

میں با قاعدہ آپ کے عرس تو نہیں کرتا ہوں لیکن ۱۷ محرم کو میں اپنی حیثیت کے مطابق لنگر بنوا کر تقسیم کر دیتا ہوں۔ اللہ اس خدمت کو قبول کرے۔

آپ کا مزار گھاٹ گیٹ باہر حضرت مسکین شاہ صاحب کے سامنے والے قبرستان میں ہے اور لوگ برابر وہاں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ آپ میں سے جو صاحب جب چاہیں اس بات کو آزمالیں۔ ۞۞

حضرت غیبی پیرؒ

آپ کے بارے میں ابھی مجھے مکمل معلومات حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اگر قارئین میں سے کسی صاحب کو علم ہو تو براہِ کرم مطلع فرمائیں۔ میں مشکور ہوں گا۔ انشاء اللہ تمام حالات مفصل معلوم ہونے پر علیحدہ سے حضرتؒ پر لکھوں گا۔

ابھی صرف اتنا ہی معلوم ہوسکا ہے کہ آپ کا اصل نام سید غیاث الدین عرف غیبی پیر ہے۔ ہندوستان کے دیگر اولیاء کی طرح آپ بغداد سے سیر و سیاحت کرتے ہوئے۔ اپنے رفیق حضرت واجد علی کے ساتھ ہندوستان آئے اور اجمیر میں سلطان ہند کے آستانہ عالیہ پر حاضری دے کر پرانے جے پور یعنی آمیر میں مقیم ہو گئے۔

یہ زمانہ راجہ مان سنگھ کا زمانہ تھا۔ جو شہنشاہ اکبر کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ جے پور کی رعایا میں ایک عجیب واقعہ بالاتفاق مشہور ہے کہ شلہ دیوی نامی جادوگرنی تھی۔ جادوگرنی ہر سال ایک انسان کی قربانی لیکر اس کا خون پیا کرتی تھی۔ آپ نے خود کو پیش کر کے اور اس کے چہرے پر تھپڑ مار کر یہ سلسلہ ختم کیا۔ اس تھپڑ کی وجہ سے اس جادوگرنی کا منہ ہمیشہ کے لئے ٹیڑھا ہو گیا تھا اور پتھر کی بن گئی تھی۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ کافی تفصیل طلب ہے۔ اس کا پورا پس منظر ہماری نگاہوں کے سامنے ہونا چاہئے۔ جن صاحب کو بھی اس واقعہ کے بارے میں کچھ علم ہو براہ کرم میری مدد کریں۔

بہر حال ایک ولی کی کرامت سے ایک منافق ہی انکار کرسکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس جادوگرنی کے تین جلاد بعد میں آپ کے ہاتھ پر اسلام لے آئے تھے۔ جن کی قبریں آپ کے مزار مبارک کے قریب موجود ہیں۔ آپ کا مزار آمیر میں موجود ہے۔ اور لوگ آپ کے مزار سے فیض حاصل کرتے ہیں۔

ان کی تفصیل انشاء اللہ اگلی کتاب میں لکھوں گا۔ آپ جیسی عظیم ہستی کے لئے یہ چند کلمات نافی ہیں۔

شیخ حضرت حافظ عبدالرحیم صاحب عرف جھاڑو شاہ شاہ باباؒ

حضرت قبلہ شیخ المشائخ قطب زماں اور سرتاپا خیر و برکت صوفی باصفا حافظ عبدالرحیم شاہ صاحب قادری چشتی نظامیؒ کی پیدائش یوپی میں لہر پور ضلع سیتاپور میں ۱۸۶۳ء میں ہوئی۔ چونکہ اعلیٰ خاندان اور مذہبی ماحول بچپن سے ان کو ملا تھا۔ اس لئے جلدی ہی آپ حافظ قرآن ہوگئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت شیخ اصالت میاں صاحب خود بھی ولی صفت شخص تھے اور قلندرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اس لئے والد کی خوبی بیٹے میں تو آنی ہی تھی۔ دھیرے دھیرے مزاج فقیرانہ ہوتا گیا اور لہر پور میں ہی حضرت مجّی شاہ صاحب کا مزار مبارک موجود ہے۔ وہاں آپ جانے لگے۔ گھنٹوں وہاں مراقبے میں بیٹھے رہتے۔ رفتہ رفتہ ان پر کیفیت طاری ہونے لگی اور والد کی رہنمائی میں آپ اللہ کا ذکر کرنے لگے۔ جوان ہونے پر آپ کی شادی آپ کے والد نے ایک نہایت شریف النفس خاتون سے کردی۔ جن سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ لیکن کم عمری میں ہی دونوں لڑکے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ قلیل عرصے کے بعد آپ کی اہلیہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ پھر باقاعدہ آپ کے والد نے آپ کو اپنے ہاتھ پر بیعت کیا اور خلافت عطا کی اور حکم دیا کہ کوکرہ ضلع لکھیم پور چلے جاؤ وہاں آپ دن میں کچھ محنت مزدوری کرکے شام کو ایک نیم کے پیڑ کے نیچے یاد اللہ میں مصروف ہوجاتے۔ اس طرح کافی وقت گذر گیا۔

آخر آپ کے والد صاحب حضرت اصالت میاں آپ کے پاس تشریف لائے اور کچھ نصیحتیں اور وصیت کی جس میں یہ حکم بھی تھا کہ تمہیں عنقریب یہاں سے اجمیر شریف جا کر سلطان الہند کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ اتفاق سے ان ہی دنوں میں حضرت اصالت میاں کا وصال ہوگیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے پیر و مرشد اور والد کو کوکرہ میں سپرد خاک کیا اور اجمیر شریف کے لئے روانہ ہوگئے۔ کوکرہ میں آج بھی آپ کے والد کا مزار موجود ہے۔ آپ دادا میاں کے لقب سے مشہور ہیں۔

سفر کر کے آپ اجمیر آئے اور خواجہ معین الدین چشتی کو سلام عرض کر کے درگاہ شریف کے ایک حجرے میں قیام فرمایا۔ وہاں آپ نے ایک طویل عرصہ خواجہ صاحب کی صحبت پُر فیض میں گذارا۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے وہاں چالیس سال گذارے۔ اس عرصے میں ایک شخص حاجی انوار الحق صاحب اجمیری آپ کی صحبت میں آئے۔ آپ کا انکسار، شفقت اور عنایت دیکھ کر انوار الحق صاحب اجمیری آپ کے بیحد گرویدہ ہوگئے۔ اور زیادہ سے زیادہ وقت آپ کے ساتھ گذارنے لگے۔

ایک بار بابا صاحب نے ان سے فرمایا کہ ہمیں جے پور جانے کا حکم ہوا ہے تو انوار الحق صاحب نے عرض کیا کہ حضور میں آپ کو جے پور لئے چلتا ہوں۔ اس طرح آپ جناب انوار الحق صاحب، حاجی عبدالغنی صاحب اور جناب امام الدین قریشی صاحب کے ہمراہ جے پور تشریف لائے اور محلّہ قریشیان میں جماعت خانہ کے نزدیک ایک چھوٹے سے

مکان میں قیام فرمایا۔ یہ سن ۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے۔

دھیرے دھیرے آپ کے رفیقوں اور عقیدت مندوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ ہر شخص جو آپ سے ملتا تھا فیض یاب ہوتا تھا۔ اللہ کے ولی تو ہوتے ہی خدمت خلق کے لئے ہیں۔ لوگ آپ کے پاس پریشان حال آتے اور خوشی خوشی واپس جاتے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے رفیقوں کے ہمراہ تشریف فرما تھے کہ ایک دم کھڑے ہوئے اور سب کو باہر چلنے کا حکم دیا۔ جیسے ہی سب لوگ باہر آئے اس مکان کی چھت نیچے گر پڑی۔ یہ دیکھ کر سب لوگ ششدر رہ گئے۔ پھر آپ نے ایک جگہ پسند فرمائی۔ یہ وہ ہی جگہ ہے جہاں آج آپ کا مزارِ مبارک ہے۔

آپ جب اپنے وطن سے اجمیر کے لئے روانہ ہوئے تھے تو آپ کے پاس ایک عصا ایک کلام پاک تھا۔ جو آخر تک آپ کے پاس رہا۔ جھاڑو شاہ کا لقب آپ کو حضرت خواجہ غریب نواز کی بارگاہ سے ملا تھا۔ کیوں ملا تھا۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر استعارہ کی طرف اشارہ سمجھا جائے تو یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ چونکہ جھاڑو کا کام صفائی کرنا ہے۔ اور قدرت کو بابا صاحب سے لوگوں کے قلب کی صفائی کا کام لینا تھا۔ اور برائی کو مٹانا تھا۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہ لقب ملا ہو۔ لیکن یہ بات میرے اپنے وجدان کی بات ہے۔ میں نہ تو کوئی عالم ہوں اور نہ ہی مذہبی شخص ہوں۔ بہر حال حقیقت حال خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

آپ کے فیض کی شہرت اب تمام طرف پھیل چکی تھی دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔ کیا ہندو کیا مسلمان سب اپنی اپنی عرضیاں آپ کی خدمت میں پیش کرتے اور آپ بلا تفریق مذہب و ملت کے عنایت سے پیش آتے ۔

جے پور کے ایک مشہور سیٹھ شری جتن داس جی اگروال جو کہ مانک چوک کے کھندے میں کپڑوں کا کاروبار کرتے تھے۔ شادی کے کئی سال بعد بھی بے اولاد تھے۔ تمام وید اور ڈاکٹروں کا علاج کروا چکے تھے۔ آخر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی التجا کی۔ اللہ تعالیٰ نے جلد ہی آپ کی دعا سے سیٹھ صاحب کو ایک چاند سا بیٹا عطا کیا۔ آج بھی سیٹھ صاحب حیات ہیں اور جنتا کولونی میں ان کا مکان ہے۔

مسجد قریشیان کے پیش امام جناب حافظ مولوی محی الدین صاحب (قاری معین الدین صاحب کے والد ماجد) حج پر جانے کا ارادہ کر چکے تھے۔ جب جانے کا وقت آیا تو امام صاحب آپ کے پاس حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی آپ نے انھیں دعائیں دیکر رخصت کیا۔ اس زمانے میں ہوائی جہاز سے حج پر نہیں جایا کرتے تھے۔ صرف پانی کے جہاز کا ایک ذریعہ تھا۔ امام صاحب سلام کرکے حج پر روانہ ہوگئے ۔ کچھ دن کے بعد بابا صاحب اپنے رفیقوں کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ کہ اچانک چہرے کا رنگ بدل گیا اور بار بار کہنے لگے اللہ خیر کرے اللہ خیر کرے اور سجدے میں گر گئے ۔ کافی دیر کے بعد جب سجدے سے سر اٹھایا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی پیشانی زخمی ہے۔ اور چہرہ پسینہ پسینہ ہو رہا

ہے۔ جلدی ہی آپ کی پیشانی پر دوا وغیرہ لگا دی گئی۔ کافی اصرار کے بعد بابا صاحب نے بتایا کہ حاجیوں کا جہاز ڈوب رہا تھا۔ اس کو بچانے لگا تھا۔

جب حافظ محی الدین صاحب حج سے تشریف لے آئے تو انھوں نے آ کر بابا صاحب کو سلام کیا اور اپنے تمام عزیزوں اور لوگوں میں یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک دن ہمارا جہاز طوفان میں پھنس گیا۔ بھنور بھی اتنا سخت تھا کہ اللہ سے فریاد کرنے لگے۔ ہمیں موت سامنے کھڑی دکھائی دے رہی تھی یکا یک ہم نے دیکھا کہ کوئی شخص پانی میں سے نمودار ہوا اور جہاز پر دونوں ہاتھ لگا کر دھکا لگانے لگا۔ اس کے دھکا لگانے سے جہاز بھنور سے نکلنا شروع ہوگیا۔ اور کچھ ہی دیر میں ہم اور ہمارا جہاز اس طوفان سے نکل آئے پھر اس شخص نے جہاز کو دھکیل کر جیسے ہی اپنا چہرہ اوپر کیا تو میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا یہ شخص اور کوئی نہیں حضرت جھاڑو شاہ بابا ہیں۔ اور ان کی پیشانی سے خون بہہ رہا ہے۔ اور دیکھتے دیکھتے ہی وہ ہماری آنکھوں سے غائب ہوگئے ۔ یہ واقعہ سن کر لوگوں نے امام صاحب کو بتایا کہ فلاں دن بابا صاحب سے یہ فعل سرزد ہوا تھا۔ اور انھوں نے ہمیں بتایا کہ حاجیوں کا ایک جہاز ڈوب رہا تھا۔ اللہ کے حکم سے اس کو بچانے کے لئے کوشش کر رہا تھا۔

جے پور کے ہی محلّہ بساطیان میں اسی دور میں شاہ معین الدین صاحب جودھپوری قیام پذیر تھے۔ وہ بھی باکرامت اور اللہ والے ولی تھے۔ وہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کا عرس محلّہ بساطیان میں منعقد کیا کرتے تھے۔ یہ عرس بہت شہرت پا چکا تھا۔ چنانچہ اس عرس میں شریک ہونے کے لئے مشہور

قوال عبدالرحمٰن کانچ والا پہلی مرتبہ حاضر ہوا۔ اس دن محفل سماع تھی کہ حضرت جھاڑو شاہ بابا بھی وہاں تشریف لے آئے۔ یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ حضرت جھاڑو شاہ بابا اور شاہ معین الدین صاحب ایک دوسرے کی نہایت تعظیم کیا کرتے تھے۔ لیکن دونوں ہی ایک دوسرے کے سامنے نہیں آتے تھے۔ اگر دونوں میں سے کسی ایک کو پتہ چلتا کہ دوسرا آرہا ہے تو پہلا وہاں سے چلا جایا کرتا تھا۔ اس میں کیا راز تھا یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ دونوں کبھی بھی ایک دوسرے کے سامنے نہیں آئے۔ میں بیان کر رہا تھا عبدالرحمٰن کانچ والے کا اس کو بھگندر کی بیماری تھی وہ بیٹھنے سے معذور تھا۔ کافی علاج کرا چکا تھا لیکن فائدہ نہیں ہوتا تھا حضرت بابا صاحب محفل میں پہنچے تو عبدالرحمٰن قوالی شروع کر رہا تھا۔ اور کھڑا ہوا تھا۔ بابا نے فرمایا کہ بیٹھ کر پڑھو۔ کہنے لگا کہ حضرت میں بیٹھ نہیں سکتا۔ بابا نے دو تین بار بیٹھنے کو کہا لیکن وہ برابر اپنی معذوری ظاہر کرتا رہا۔ آخر بابا صاحب نے غصہ سے کہا کہ بیٹھ جا پھر تو عبدالرحمٰن کو بیٹھنا ہی پڑا۔ اور بیٹھ کر اس نے کلام پڑھنا شروع کیا۔ اور خوب اچھا پڑھا۔ جب وہ ختم کر کے اٹھا تو اس کی بیماری کافور ہو چکی تھی۔

یہاں یہ بات عرض کردوں کہ اس سے پہلے یہ واقعہ میں شاہ معین الدین صاحب کے نام سے موسوم کر چکا ہوں۔ محلے کے بڑے بزرگ حضرات نے مجھے شاہ صاحب کے حوالے سے ہی یہ واقعہ بتایا تھا۔ لیکن بعد میں تحقیق سے پتہ چلا کہ عبدالرحمٰن کانچ والے کو شفا حضرت بابا صاحب کی

معرفت و ریاضت سے ہوئی۔ حالانکہ محفل شاہ معین الدین کی تھی اور ان کے پیرو مرشد کے عرس کی محفل تھی۔ بابا صاحب کے آنے کی خبر سن کر آپ حجرے میں تشریف لے گئے تھے۔ بابا صاحب کے چلے جانے کے بعد ہی آپ باہر تشریف لائے تھے۔

بابا صاحب کے واحد خلیفہ جناب انوار الحق صاحب کے یہاں بھی کوئی اولاد نرینہ زیادہ دن زندہ نہیں رہتی تھی۔ کئی لڑکے ہوئے لیکن کچھ ہی دنوں میں انتقال کر گئے۔ انھوں نے حضرت بابا صاحب سے اس بابت عرض کیا۔ چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور خدا نے ان کی دعا کی برکت سے آپ کو ایک لڑکا عطا کیا۔ اور اس کا نام اسرار الحق رکھا۔ یہی اسرار میاں آج اپنے والد کے جانشین بن کر بابا صاحب کی درگاہ کی دیکھ بھال اور عرس کا انتظام اور خدمت خلق بڑے جذبے اور ذمہ داری سے انجام دیتے ہیں۔

بابا صاحب کے واقعات اس قدر ہیں کہ یہاں اس کتاب میں سب کا ذکر کرنا ممکن نہیں۔ کوشش کروں گا کہ آپ کے بارے میں علیحدہ سے ایک مکمل کتاب لکھوں۔ بہرحال ولایت کے بادشاہ بابا صاحب ۱۰۵ سال کی عمر میں ۴؍فروری ۱۹۶۸ء میں وصال فرما گئے۔ اور جے پور کے لوگ ان کے مزید دیدار سے محروم ہو گئے۔ موتی ڈونگری روڈ پر میوزیم روڈ پر آپ کا مزار مبارک موجود ہے۔

❁❁

تعلیم الاولیاء

بھوک، کھانا، خاموشی اور قیام اللیل

بھوک اور کھانا:

جو شخص اپنے معدے کو خالی رکھے اور تھوڑا کھانے کا عادی ہو جائے اس کا دل فیض الٰہی کے انوار قبول کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ شہوت اور حرص نفسانی اس پر غالب نہیں آتی ہمیشہ باوضو رہتا ہے۔ سستی نیند اور کاہلی اس پر غلبہ نہیں کر پاتیں۔ خلقت خدا پر شفیق اور رحم دل ہو جاتا ہے۔ عبادت کرنے میں لذت پاتا ہے۔ اور شیطان اس سے دور بھاگتا ہے۔

شیطان کا قول ہے کہ جو شخص پر شکم ہو کر نماز میں ہوتا ہے میں اس سے بغل گیر ہو جاتا ہوں اور جو شخص بھوکا نیند میں ہو اس سے بھاگتا ہوں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بہت کھانا کھاتا ہے اس کے معدے سے دھواں اٹھتا ہے اور فیض الٰہی کو بند کر دیتا ہے۔ اور پاک روحیں جو فیض کا ذریعہ ہیں سامنے نہیں آتیں۔ یہ بات طے ہے کہ جب تک معدہ خالی نہیں ہوتا۔ دل پاک نہیں ہوتا۔ پس جو دل پاک وصاف نہ ہو اس میں رحمت الٰہی کیسے آسکتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ

آپ بھوکا رہنے کی اتنی تعریف کرتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو کبھی میں ہی اعلیٰ رب ہوں نہیں کہتا۔ اگر قارون بھوکا ہوتا تو ہرگز سرکش نہیں ہوتا۔ پس یہ نفس پلید، پلید حرکتوں سے باز نہیں آتا۔

یعنی بھوک میں یہ خاصیت ہے کہ نفس امارہ کو مطمئنہ کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے اور بندگی اور فرمابرداری لاتی ہے۔ لیکن راستہ کو عبور کرنے والے (سالک) کو چاہئے کہ اعتدال کا راستہ ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اس لئے کہ اگر پیٹ بھر کر کھائے گا تو فیض الٰہی کا راستہ بند ہو جائے گا۔ اور اگر کھانا بالکل چھوڑ دے گا تو کمزوری اور ناتوانی اس پر غالب آجائے گی۔ یہاں تک کہ عبادت اور کسب معاش سے بھی محروم ہو جائے گا۔ یعنی نہ تو بہت سیر ہو کر کھائے اور نہ کھانا بالکل ہی چھوڑ دے۔ اس لئے کہ اللہ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ کھاؤ پیو اور بیہودہ اسراف نہ کرو۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ ایک شخص جس نے کھانا ترک کر دیا اور دوسرا جس نے چند لقمے لذت دار کھانے لیکر کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا ان دونوں میں بہتر دوسرا ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ نفس پر بہت شاق گذرتا ہے یعنی اتنا بھی نہ کھا کہ تیرے منہ سے باہر نکلنے لگے اور نہ اتنا بھوکا رہ کہ تیری جان ہی نکلنے لگے۔ جب تک سخت بھوک نہ لگے۔ کھانے کو ہاتھ نہ لگائے۔ کیونکہ سالک کو بھوک غالب ہوئے بنا کھانا کھانا حرام ہے۔

مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ جو شخص حرام کی روٹی کھاتا ہے تو وہی صفتیں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔اوراس کے دل وروح پر حاکم ہو جاتی ہیں شیطان اس پر غالب آتا ہےاور طالب کا ذوق وشوق بر باد ہو جاتا ہے۔

اس زمانے میں خدا کے راستے کے بے شمار طالب روٹی کھانے میں احتیاط نہیں کرتے اس لیے معنوں کا بھید،قلب کی صفائی اور ذوق و شوق نہیں پاتے۔

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جولوگ حرام کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ مجھے شرم آتی ہے کہ ان سے حساب لوں۔

سالک کو حلال میں سے بھی صرف اتنا ہی کھانا چاہئے کہ عبادت کیلئے قوت حاصل ہو سکے۔ چونکہ آدمی کا بدن بمنزلہ سواری کے ہے اور سواری اگر کمزور ہو جائے تو کام کاج کے قابل نہیں رہتی اور راستہ پر نہیں چل پاتی۔کھانا کھاتے وقت بھی اپنے آپ کو اللہ کے حضور جانے،غفلت میں کھانا نہ کھائے بلکہ کھانا پکانے والا بھی سالک ہو اور باوضو ہو اور کوئی بیہودہ کلام منہ سے نہ نکال رہا ہو۔

خاموشی:

خاموش رہنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم نے فرمایا کہ عبادت کے دس حصے ہیں جن میں سے نو حصے خاموشی اور ایک حصہ

ان سے علیحدہ عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اپنے دہن مبارک میں کنکر دبائے رکھتے تھے تاکہ کسی کے ساتھ فضول بات نہ کی جائے کیونکہ زبان میں وہ آفتیں ہیں جو انسان کے کسی عضو میں نہیں۔ جو سختی انسان کے سر آتی ہے وہ اسی زبان کے بے لگام ہونے سے آتی ہے۔ دل میں جوسیاہی بڑھتی ہے وہ بہت باتیں کرنے سے بڑھتی ہے۔

نقل ہے کہ خدا نے جس دن آدمی کے منہ میں زبان کو پیدا کیا کہا کہ اے زبان تجھے پیدا کرنے کا صرف اتنا مقصد ہے کہ تو میرے نام اور کلام کے سوا کچھ نہ کہے۔ اگر تو نے اس کے خلاف کیا تو خود اپنے تئیں دیگر اعضاء کو مصیبت میں ڈالے گی اور ہلاک کرے گی۔ اس لئے سالک کو لازم ہے کہ زبان کی لگام کو قابو میں رکھے۔ ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک زبان درست اور اپنے قابو میں نہ ہو۔

حضور نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی مومن بندہ کو خاموش اور متین دیکھو تو اس کے ساتھ مل بیٹھو۔ کیونکہ وہ حکمت سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ کم بولنا صاحب رتبہ بزرگوں کا شعار ہے اور باعزت لوگوں کا طریقہ ہے۔لیکن کچھ مقامات پر چپ رہنے کی جگہ کلام کرنا اچھا ہے۔کسی نیک کام کے لئے بقدر ضرورت کلام کرنا اچھا ہے۔ دو بگڑوں میں صلح کرانا، دین کی درستی کے لئے وعظ ونصیحت کرنا۔کسی محتاج کے لئے کلمۂ خیر کہنا۔

حضور نبی کریم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر اور خدا پر ایمان لائے اس کو لازم ہے کہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

کم سونا:

رات کو جاگنے کی دولت اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو ازلی سعادت مند ہو۔ اور خدا کا عشق اس پر غالب ہو۔ اس لئے رات کو جاگنا اور نیند کی حلاوت ترک کر دینا۔ بہادروں کا ہی کام ہے۔ یہ ہی طریقہ اللہ کے محبوب بندوں کا رہا ہے۔

رات میں ایسی خاصیت ہے کہ دن میں قطعی نہیں پائی جاتی اس لئے اگر کوئی شخص خضوع وخشوع کے ساتھ رات کی ایک گھڑی عبادت میں بسر کرتا ہے تو تمام دن کی عبادت سے بہتر ہے۔ خدا کی رحمت کا نزول عبادت کی قبولیت زیادہ تر رات ہی کو ہوتی ہے۔ اور خدا کی بخشش مشتاقوں کے لئے غیروں کی نظر سے پوشیدہ رات کو ہی ہوتی ہے۔ اللہ کے عاشقوں کے لئے رات کا وقت ایک ایسا خلوت خانہ ہے جس میں اس بے نیاز کی بارگاہ میں غیروں کے پریشان کئے بغیر اپنے راز و نیاز عرض کرتے ہیں۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ خدا کے دوست کی اندھیری رات ایسی ہی روشن ہوتی ہے جیسے روزِ روشن اور یہ سعادت دھینگا مُشتی کی بدولت

حاصل نہیں ہوسکتی جب تک وہ کریم اپنی خاص عنایت عطا نہ فرمادے۔ تمام اولیاء اللہ اور اہل اللہ رات کو جاگے بغیر اپنے مقصد کو نہیں پہنچے۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگان دین نے بیسوں برس اپنی پیٹھ کو زمین سے نہیں لگایا۔ اور عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے۔

حضرت خواجہ سری سقطی کو پورے ۷۰/ برس کسی نے سونے کی حالت میں نہیں دیکھا سوائے موت کے وقت امام اعظم نے ۲۳/ سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔

لیکن اس مقام پر ایک بہت ہی لطیف بات سالک کو سمجھنا چاہئے ریاضت اور مجاہدے کے عجز و نیاز کے طریقہ کو ہرگز ہرگز نہ بھولے۔ اپنے تمام نیک اعمال کو قطعی بے قدر سمجھے۔ بلکہ دل میں ذرا سا بھی یہ خیال نہ لائے کہ میں نے اللہ کی عبادت اچھی کی ہے۔ کیونکہ انسان کی نجات صرف اللہ کے فضل وکرم پر مبنی ہے۔ نیک اعمال کی کثرت برابر رکھے۔ لیکن ان پر التفات نہ کرے۔ نہ اپنے اعمال کو وزن دار سمجھے۔ بہادر مرد وہی ہے جو نیک اعمال بہت کرے اور ان کو بہت قلیل جانے۔ بلکہ کئے ہوئے کو بے کیا ہوا جانے۔ تاکہ غرور کے حاوی ہونے سے بچے۔ اگر غرور وتکبر آ گیا تو وہ مثل مشہور ہے کہ دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا۔

اکابر دین کہتے ہیں کہ اخلاص اسے کہتے ہیں کہ اپنے اعمال کو

اچھی نگاہ سے نہ دیکھے ایسی عبادت کرنے سے نہ کرنا بہتر ہے کیونکہ ریا کاری اور غرور عبادت کو برباد کر دیتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ وہ کونسی طاعت ہے جو بندہ کو خدا سے دور کر دیتی ہے اور وہ کونسی معصیت سے جو بندے کو خدا سے قریب کر دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ طاعت جس کی شروعات امن سے ہو مگر انجام خود بینی یا خودسری ہو وہ بندے کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔ جیسے شیطان۔ جس نے اول خدا کی کیسی شاندار طاعت کی لیکن خود بینی اور تکبر نے اسے راندہ درگاہ کیا۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے لعنت کا طوق گلے میں پہن لیا۔ اور وہ معصیت میں کا آغاز ہولناک ہو مگر انجام عذر توبہ استغفار ہو بندہ کو مقرب بارگاہِ الٰہی بنا دیتی ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام۔

یعنی جو گناہ توبہ کے ساتھ ختم ہوا وہ عبادت مع خودی اور تکبر سے افضل ہے۔ اس لئے جب بندہ توبہ کے ساتھ اللہ کے حضور شرمندگی۔ گریہ وزاری اور عاجزی سے گڑگڑاتا ہے۔ تو خدا بھی اس سے مغفرت کے ساتھ پیش آتا ہے۔

ایک بزرگ سے سوال کیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے جواب دیا کہ وہ گنہ گار جو صدق دل سے خدا سے ڈرتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ سب سے بڑا جاہل کون ہے۔ فرمایا کہ وہ عابد جو خدا سے بے خوف ہو۔

اب یہ بات قابل غور ہے کہ آج ہم جو بھی نیک اعمال کر رہے ہیں ان

میں خلوص کتنا ہے۔ خلوص ہے بھی یا نہیں۔ یا صرف ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے مذہبی امور کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ یہاں تین شخصوں کی مثال پیش کرتا ہوں۔ ایک شخص عاشق رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ان کا نام لیکر لاکھوں روپئے فضولیات اور اپنے نام کی خاطر خرچ کرتا ہے۔ گویا نبی کریم صرف اس کے آقا ہیں۔ اس کے سوا دوسرا کوئی مسلمان ہی نہیں۔ ایک شخص اپنی جھوٹی علمیت اور اپنے آپ کو دین کا سچا علمبردار ثابت کرنے کئے لئے جگہ جگہ وعظ میں اپنے آپ کو صحابہ اور انبیاء میں شمار کرتا ہے۔ گویا اللہ نے دین کو سدھارنے کا ٹھیکہ صرف اس کو ہی دیا ہے۔ جو وہ کہے وہی دین ہے باقی سب کفر ہے۔ تیسرا شخص کہتا ہے کہ دونوں شخص غلط ہیں ان کی نہ تو عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ ان کے اعمال۔ کیونکہ قرآن اور حدیث کے مطابق نہیں ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی تو صرف میرے پاس ہے۔

اگر بزرگان دین کی تعلیم سے ہم استفادہ کریں تو کوئی عجب بات نہیں کہ ہم اس ریا کاری اور تکبر اور بناوٹی حلیہ سے نکل کر ایک سیدھے سادھے مسلمان بن جائیں۔ بزرگان دین کی تعلیمات سے لاکھوں کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ضرورت ہے تو صرف ان پر عمل کرنے کی۔